نقشِ فطرت میں نظم و ترتیب[۱]

کائنات بحیثیت مجموعی

(۳)

(سلسلہ کے لئے دیکھئے برہان بابت فروری ۴۴ء)

مترجمہ قاضی ابو سعید محمد نصیر احمد صاحب عثمانی ایم اے بی ایس سی (علیگ) استاذ طبیعیات جامعہ عثمانیہ دکن

تفکر کوتی اکثر و بیشتر آدمی کسی خاص پیشہ یا حرفہ میں مشغول ہوتے ہیں۔ اس مشغولیت میں تھکا دینے والے یکسانیت ہو سکتی ہے یا پھر اس کے لئے خاص قابلیت، فنی علم اور طویل تجربہ کی ضرورت ہو۔ شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ فکرِ عمیق بھی درکار ہو۔

ہمارے علم کی مختلف شاخوں کے نظریوں اور کثیر التعداد انکشافات کے گورکھ دھندے کو سلجھانے میں چند فلسفیوں کے سوا شاید ہی کوئی دوسرا انسانی گروہ معروف ہو۔ فکر کو گویا اس طرح آب بند خانوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے ان خانوں میں باہمی مواصلات گویا مسدود ہیں۔

یہاں پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ گورکھ دھندے کے مختلف حصے جہاں تک ہمارے موجودہ علم کی رسائی ہے ایک دوسرے سے مطابقت رکھتے ہیں یا نہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ الجھاوا اس قدر شدید ہو کہ سلجھانے کی حد سے فزوں ہو۔ یہ واضح کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آج کل کی بڑی بڑی ترقیاں ان ہی لوگوں کے ہاتھوں انجام کو پہنچی ہیں جو خوش قسمتی سے دو دو مضمونوں کے ماہر تھے مثلاً طبیعیات اور فعلیات میں، یا ریاضیات اور طبیعیات میں، یا طبیعیات اور کیمیا میں یا طبیعیات اور

---

[۱] اصل مضمون اے، ایس، یو، ایف آر ایس، سی بی ای، ڈی ایس سی، میکڈانل پروفیسر آف فزکس، میک گل یونیورسٹی مانٹریل پریسیڈنٹ سی اے اے ایس ۱۹۳۰ء کا ہے۔

فلسفہ میں۔ ایسی سرحدیں بکثرت ہیں۔

ایک دقت اور ہے وہ یہ کہ ایسا آدمی ملنا مشکل ہے جو کافی طور پر اتنا مستند مذاق رکھتا ہو کہ علم کے سارے علاقوں کو ایک وحدت شمار کر سکے۔ ایسے زبردست کام کے انجام دینے کے لئے کون شخص دماغی طور پر تیار ہے؟ آج کون ہے جو بیکن کا ہمنوا ہو سکے کہ "سارے علم کو اپنی مملکت میں شمار کرتا ہوں"۔ راقم الحروف تو یقیناً اس کا مدعی نہیں۔

فرجرال کی نصیحت کہ "کوئی طور پر سوچو" اس قابل ہے کہ اس پر ہم عمل کریں۔ اس میں شاید ہم حق بجانب ہیں۔ اب ہمیں کائنات پر بہ حیثیت مجموعی غور کرنا چاہئے۔

کالبد یا عالم کبیر | ہم ایک وسیع علاقے میں سحابیے، ستارے، سیارے، دمدار ستارے، چاند، شہابیے، غبار، گیسیں اور ان کے اشعاع بکھرے ہوئے پاتے ہیں۔ بڑی بڑی کمیتیں یعنی ستارے اپنی جسامتوں کے اعتبار سے بہت دور دور واقع ہیں۔ ان سب پر ایک باہمی جذب حاوی ہے اور سب ایک دوسرے کے لحاظ سے حرکت میں ہیں۔ سکون کا کہیں وجود نہیں۔ ان سب ستاروں کی رفتاریں چند میل فی ثانیہ سے لے کر چند سو میل فی ثانیہ تک ہوتی ہیں۔ بہت بلند تجاذبی قوہ (Potential) کا کہیں اشارہ نہیں پایا جاتا۔ سادہ تر الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات میں مادے کی غیر محدود مقدار کی کوئی شہادت نہیں بلکہ محدود گو کثیر مقدار کی شہادت پائی جاتی ہے۔

ان اجسام کے درمیان ایک فضا کا وجود پایا جاتا ہے یا کم از کم ہمارے ذہن نے اس کو تجربے سے اخذ کیا ہے۔ یہ فضا تقریباً اقلیدسی ہے جس میں مثلث کے تین زاویے ملکر قریب قریب دو زاویہ قائمہ کے برابر ہو جاتے ہیں۔

اس فضا میں عجیب و غریب طبیعی خاصیتیں ہیں کیونکہ عام نوعیت کی موجیں اس میں سے گزرجاتی ہیں اور تیزی سے چاروں طرف آزادی کے ساتھ گزرتی ہیں۔ پھر ایک دوسرے کی پیش رفت میں دخل نہیں دیتیں البتہ وہ طولوں میں مختلف ہوتی ہیں اور سب میں نور کی مشہور و معروف بلند رفتار ہوتی ہے۔ یہ رفتار فطرت کے بڑے مستقلوں میں سے ایک ہے۔ یہ رفتار ایسی ہے کہ اس کو ہم اضافی نہیں کہتے کیونکہ مبدء

اور سامع کی رفتاروں کا اس پر اثر نہیں پڑتا۔ پس فضا کو اشعاعی توانائی کا محل یا مرکب سمجھنا چاہیے چونکہ ہم جانتے ہیں یا کم از کم قیاس کرتے ہیں کہ سارا مادہ توانائی ہی کی ایک شکل ہے اس لئے ہم توانائی کا اندازہ کمیت کی رقموں میں معلوم کر سکتے ہیں۔ یہاں تک کلوواٹ گھنٹوں کی بجائے پونڈوں میں اشعاعی توانائی کی قیمت بھی دریافت کر سکتے ہیں۔ پھر سورج سے زمین تک جو مقدار آتی ہے اس کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ قیمت بہت اونچی ہے۔ اور مقدار بہت بڑی ہے۔ سورج سے زمین کو روزانہ ۱۶۰ ٹن دھوپ پہنچتی ہے۔ اس کی قیمت ۵۰۰ ملین ڈالر (تقریباً ڈیڑھ ارب روپیہ) فی پونڈ ہوتی ہے۔ اس طرح یہ طاقت بل مانٹرل کی برقی شرح کے اعتبار سے ۱۵۰ ملین (تقریباً ۱۵ ایل) پونڈ روزانہ ہوگا۔ یہ بل خوش قسمتی سے ہمارے سامنے کبھی پیش نہیں کیا جاتا۔ اور ہماری طاقت گاہ یعنی سورج کم از کم ۱۰۰۰،۰۰۰ ملین (۱۰ ایل) سال سے نہایت باضابطگی اور کارکردگی کے ساتھ چل رہی ہے۔ اور اگر کوئی حوادث سماوی، واقع نہ ہوں تو توقع یہی ہے کہ اتنی ہی مدت اور چلے گی۔ اس کے بند ہوجانے کے سوال کو ہم فی الوقت ملتوی رکھتے ہیں۔

اس عظیم الشان فضا کو جس میں سے اشعاعی توانائی گزرتی ہے ہم خالی خیال کر سکتے ہیں اور جہاں تک کہ ترسیل طاقت کی عجیب وغریب خاصیت کا تعلق ہے ہم اس کو ایک طبیعی وجود تسلیم کرتے ہیں۔ نام رکھے جانے کا اہل سمجھ سکتے ہیں۔ اس کو اثیری کے نام سے پکار سکتے ہیں۔ صرف اتنا یاد رکھنا چاہیے کہ عملاً ہم ان ہی چیزوں کو نام دیتے ہیں جن میں مشاہدہ پذیر خواص یا ممتاز صفات ہوتی ہیں۔ بظاہر ہم کو اثیر کا ذکر کرتے وقت اپنے ذہن سے تمام مادی خیالات کو نکال دینا چاہیے لیکن خیر یہ ہمیں زیادہ نہ ستائے گا کیونکہ ہم نے خود ہی مادے کی بال کی کھال نکالنا اور اس کے مادی صفات کو دور کرنا شروع کردیا ہے۔ اب ہماری توجہ توانائی سے نسبتاً کم آشکارہ ظہور کی طرف مرکوز ہے۔ یہاں یہ تجویز نہیں کیا جا رہا ہے کہ اثیر کے مفہوم کو سمجھنے میں لفظ روحانی سے مدد ملے گی اور جہاں تک ہمارے موجودہ علم کی رسائی ہے واقعات اس دعوی کی اجازت نہیں دیتے کہ اثیر غیر طبعی نوعیت کی نفسیاتی قوتوں کا محل ہے۔ ان مفہومات میں خلطِ مبحث افادہ سے

بعید ہے لیکن اثیر کے خواص ایک چیز ہوں اور مادے کے خواص دوسری چیز۔ تاہم دونوں کے درمیان رابطہ اس قدر قریب کا ہے کہ مادہ اثیر کی ایک خاص ساخت یا مقامی فردیت (Singilarity) ہے جیسا کہ سر جوزف لارمور اور دیگر اصحاب نے تجویز کیا ہے۔

آج کل سہولت اسی میں سمجھی جاتی ہے کہ کائنات کو طبیعیات کے نقطۂ نظر سے مادے اور اثیر پر مشتمل سمجھا جائے۔ یا جی چاہے تو یوں سمجھئے کہ توانائی کی دو مختلف شکلوں پر کائنات مشتمل ہے۔ کیونکہ فضا میں سے مادہ اور اشعاع دونوں گزر جاتے ہیں۔

اگر آج کل کے فیشن کے مطابق ہم اضافیت پرست ہیں تو ہم یہ عقیدہ رکھ سکتے ہیں کہ ہماری فضا محدود ہے مگر محصور نہیں۔ اور پھر ہمیں اختیار ہے کہ زلبرسٹائن کے ہمنوا ہو کر یوں کہیں کہ ہماری کائنات میں نو ملین (۹۰ لاکھ) نوا سال سے زیادہ کا فاصلہ پیمائش نہیں کیا جا سکتا[۱]۔ اس میں ہم سب کے لئے بڑی گنجائش ہے لیکن بعض فلکی ایسی تنگ جگہ میں اپنے کو دبا ہوا محسوس کرتے ہیں اس لئے اب وہ دس کرور نور سال سے زائد فاصلوں کا ذکر کرنے لگے ہیں۔

ایک حد تک اس سے اتنا تو ہوتا ہے کہ ہر فرد کی اہمیت بڑھ جاتی ہے جبکہ وہ جان لے کہ وہ اپنی کائنات کا مرکز ہے جہاں کہیں بھی ہو۔ اور خواہ کتنی ہی تیزی سے کیوں نہ حرکت کرتا ہو۔ ہر شخص کا اپنا اثیر ہوتا ہے جیسے ہر شخص کی اپنی قوس قزح ہوتی ہے۔ فطرت جو ہمارے حواس کے ذریعہ ہم تک پہنچاتی ہے جس کی ہمارے ذہن تعبیر کرتے ہیں وہ سب ہر فرد کے لئے مختلف ہوتے ہیں۔

فضا اور اثیر کے متعلق قیاس آرائیاں بہت دلآویز ہیں۔ لیکن ہمارے علم کی کل کائنات بس اسی قسم کے مفہوم ہیں جیسے فیرڈے کے قوت کے خطوط اور میدان۔ یا زیادہ صحت کا لحاظ رکھئے تو برقی مقناطیسی میدانوں کے لئے میکسول کی مساواتیں۔ ان مساواتوں کی صحت کی تصدیق کی کوشش میں ہرٹس نے لاسلکی (ریڈیو) موجیں دریافت کر ڈالیں جو آج ہماری زندگی میں اس قدر دخیل ہیں۔

---

[۱] نور یا روشنی کی رفتار ایک ثانیہ میں ...،۱۸۶ میل ہے۔ سال میں ثانیوں کی تعداد ۳ کرور ۱۰ لاکھ سے اوپر ہوتی ہے اس لئے ایک نوا سال ۵۰ کھرب (۵ ملین ملین) سال کے برابر ہوا۔

عالمِ صغیر | ہم نے دیکھا کہ کبیر ہونے کے اعتبار سے کائنات اپنی جسامت میں محصور ہوسکتی ہے اسی طرح ہم یہ سوال کرسکتے ہیں کہ دوسری سمت میں کوئی انتہا ہے یا نہیں یعنی کسی ہستی کے ممکنہ صغر کے لئے کوئی حد ہے یا نہیں۔ اگرچہ وقت نہیں آیا ہے کہ ہم قطعی طور سے اس مسئلہ پر کچھ کہہ سکیں تاہم یہ ضرور ہے کہ نہایت ضرور ہے جیسا کہ آگے چل کر واضح ہوگا۔

فی الوقت تو اپنے سورجوں، سیاروں اور چاندوں کی طرف لوٹتے ہیں۔ ہم نے اندازہ کرلیا کہ یہ سب ایک ہی سواد سے بنے ہیں اور ان میں وہی عناصر موجود ہیں جن سے ہم یہاں زمین پر واقف ہیں ترکیبی مواد کے مشترک ہونے سے کیا یہ اشارہ نہیں ملتا کہ ماضی میں زبردست آمیزش ہوئی ہے؟ ستاروں میں سے ہر ایک ارتقار کی ایک باضابطہ اور طویل منزل میں سے گزرتا ہے اس لئے دوربین اور منشور کی مدد سے ستارے کا طیف (Spectirum.) لیا جائے تو ترتیب یافتہ مشاہد کو فوراً معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ عالم جوانی میں ہے یا ادھیڑ عمر میں پہنچ گیا، یا زندگی کی خزاں یعنی کہولت نے اُسے آغوش میں لے لیا ہے۔ وہ ستارے جو اپنی زندگی کی زمستاں میں پہنچ گئے ہیں۔ ہمارے لئے غیر مرئی ہیں وہ سیاہ ستارے ہیں جن کے لئے زندگی کی سرگرمی جاری رکھنے کی صرف ایک ہی صورت ہے اگرچہ وہ بھی بغایت بعید ہے کہ وہ کسی مصروف سیر پڑوسی سے ٹکرا جائیں۔

کائنات کے اجزائے ترکیبی ہر جگہ ۹۲ عناصر ہیں اور اب یہ معلوم ہوگیا ہے کہ ۲ یا ۳ ہی دریافت طلب رہ گئے ہیں۔ ہاں اگر یورینیم سے بھی بھاری عناصر موجود ہوں تو دوسری بات ہے۔ یہ عناصر گویا وہ اینٹیں ہیں جن سے یہ عظیم الشان عمارت بنی ہے۔ مستقل طور سے ان کا وجود جوہروں کی حیثیت میں پایا جاتا ہے۔ سوائے تابکار (Radioactire) جوہروں کے ایک بڑے گروہ کے جو بے محابا شق ہوجاتا ہے۔ جن سے نئے جوہر بن جاتے ہیں۔ بعض عنصری جوہروں کو قصداً بھی توڑا گیا ہے چنانچہ ادرفورڈ نے بڑی ہوشیاری سے نائٹروجن سے ہائڈروجن مرکزہ دور کردیا اور بر قندازی کے لئے ریڈیم کے القاذروں کو استعمال کیا۔ جوہروں کو اس طرح سے قابو میں لانے کی تدبیریں اور ان کا برتاؤ انیسویں صدی کے خلاف ایک دوسرا قصہ پیش کرتا ہے جبکہ جوہروں کو سخت پائیدار، لچکدار، دائم

اور غیر منقسم سمجھا جاتا تھا۔

جوہر ایک دوسرے سے ملنے کے عادی ہیں۔ ان کی بندشیں (Bonds.) غیر مرئی اور نامعلوم ہیں۔ (شاید برقی مقناطیسی ہوں) اس طرح ملنے پر جوہر سالمے بن جاتے ہیں جو کبھی تو بہت سادہ ہوتے ہیں اور بعض اوقات جیسا کہ نباتات اور حیوانات میں ہوتا ہے، حیرت خیز پیچیدگی لئے ہوتے ہیں۔ سادہ ترین پودا بھی ایک پیچیدہ اور حیرت انگیز کیمیائی کارخانہ ہوتا ہے جو اپنے جیسے دوسرے کارخانے بھی پیدا کر سکتا ہے۔ سادہ تر صورتوں میں بادی النظر میں یہ ممکن معلوم ہوتا ہے کہ ہم کہہ سکیں کہ مثلاً پانی کا ایک سالمہ آکسیجن کے ایک اور ہائڈروجن کے دو جوہروں پر مشتمل ہے۔ ان ترکیبی گیسوں میں سے دونوں کی خاصیتوں سے ہم واقف ہیں۔ اس لئے پانی کے سالمے کی خاصیتیں ہم اخذ کر سکتے ہیں اور برف، پانی اور بھاپ کے کیمیائی اور طبیعی خاصیتوں کی پیش گوئی کر سکتے ہیں۔ لیکن مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس منزل سے ہم ابھی بہت دور ہیں، البتہ یہ منزل ہے ایسی معقول کہ اُس تک پہنچنے کی کوشش عین مناسب ہے۔ یہ مسئلہ اس قدر زبردست فلسفیانہ اہمیت رکھتا ہے کہ اس پر مزید بحث نامناسب نہ ہوگی۔ ہائڈروجن کے جوہر کا برتاؤ اچھی طرح سے معلوم ہے لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ ہائیڈروجن کے سالمے کی خاصیتیں اخذ کی جا سکیں۔ حالانکہ وہ صرف دو جوہروں پر مشتمل ہے جن میں بہت قریبی اشتراکی ہے۔ یہ طبیعی کیمیا کا ایک نہایت راست اور سادہ مسئلہ ہے۔ اس پر بھی وہ حیرتناک طریقہ پر پیچیدہ ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ ایسے ہی بہ ظاہر سادہ مسئلوں پر انسانوں کی زندگیوں کا بڑا حصہ گزر جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دو سادہ ہستیوں سے ایک بالکل نئے اور مختلف مؤلف (Complex) یا ہستی کی تخلیق ہوتی ہے یا اس کا ارتقا ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں یقین ہے کہ ماہرانِ حیات کے لئے سامانِ تسکین ہوگا۔ ہم "تخلیقی ارتقار" کی مشتبہ اصطلاح استعمال کر سکتے ہیں۔ لیکن حیرت اس پر نہیں ہے کہ نئی شکلیں کیونکر پیدا ہوتی ہیں بلکہ عظیم تر راز یہ ہے کہ انواع کیونکر محفوظ رہتی ہیں اور اولاد کے لئے یہ کیونکر ممکن ہے کہ اپنے اجداد یا مورثوں کے مشابہ رہیں۔

اب سالموں کی طرف لوٹیے تو دیکھئے کہ جب وہ بن جاتے ہیں تو بالعموم حرکی حالت میں ہوتے

ہیں۔ ان کے جوہر اِدہر اُدہر اہتزاز کرتے ہیں یا ایک دوسرے کا طواف کرتے ہیں یا پھر دونوں باتیں ایک ساتھ ہوتی ہیں۔ ساتھ ہی اس کے سالمے اِدہر اُدہر بندوق کی گولیوں کی رفتار سے پھرتے رہتے ہیں جیساکہ گیس میں ہوتا ہے۔ بسا اوقات ان میں تصادم ہوتا ہے۔ پھر وہ بازگشت کرتے ہیں یا وہ ایک دوسرے کو دھکے دیتے رہتے ہیں جیساکہ بحوہی حالت یا مائع میں ہوتا ہے۔ اس کی بہت عمدہ شہادت ہرادنی حرکت میں ملتی ہے [1]

باایںہمہ ایک اچھی تربیت یافتہ فوج کے سپاہیوں کی طرح سالمے صف بستہ ہوسکتے ہیں جس سے ایک قلم ہم آہنگ اور ٹھوس بن جاتا ہے قلموں کے مطالعہ نے بہت سا وقت لیا ہے اور اب بھی دنیا کے قابل ترین افراد کا وقت لئے ہوئے ہے۔ قلمی ترتیب کی موسیقیت میں انسانی دماغ کو جو تسکین حاصل ہوتی ہے وہ شاید ریاضی اور موسیقی کے علاوہ اور کہیں نہیں پائی جاتی۔

جوہرا ور برقیے عالمِ صغیر میں مزید سیر کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ماہرانِ طبیعیات جوہر کی اندرونی ساخت کا پتہ لگانے کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ ہم میں سے اکثروں کی زندگی ہی میں جے جے ٹامسن ردرفورڈ، موسلے، بورا اور دوسروں کی ذہانت نے نقاب اٹھادی ہے اور اب ہم کو نظر آتا ہے کہ جوہر کا وزن یا اس کی کمیت عین مرکزہ یا اندرونی قلعہ پر برقی کے مثبت بار کے طور پر مرتکز ہوتی ہے اور پورے جوہر کے مقابلہ میں یہ مرکزہ بہت چھوٹا ہوتا ہے۔ اس مرکزے کے گرد ہم کو ایک تسکین بخش تصویر یا نمونہ نظر آیا۔ وہ یہ کہ جوہر کے عدد کے مطابق ایک سے لے کر بانوے تک برقیوں کا جھرمٹ تیزی کے ساتھ بیضوی مداروں میں گھوم رہا ہے بالکل اسی طرح جس طرح کہ سیارے سورج کے گرد گھومتے ہیں۔ البتہ یہاں ایک پریشان کن بات یہ ملتی ہے کہ یہ برقیئے ایک مدار سے کود کر دوسرے مدار پر پہنچ جاتے ہیں۔ اگرچہ اس کے لئے بھی قاعدے مقرر ہیں لیکن یہ بات ہمارے سابق تجربے کے بالکل خلاف ہے

---

[1] رابرٹ براؤن ۱۷۷۳ء تا ۱۸۵۸ء۔ ماہر نباتات۔ اس نے خوردبین سے ننھے ننھے ذروں کی مسلسل حرکت دیکھی جو مائع کے گھیرنے والے سالموں کی بمباری کی وجہ سے تھی۔ اسی طرح ہوا میں دھوئیں کے ذرات ہوں تو ہوا کی سالمی بمباری کی وجہ سے ان میں خوردبینی حرکت پائی جاتی ہے۔

یعنی جس طرح خوش ترتیب جسموں کا برتاؤ ہونا چاہیے اس کے بالکل برعکس یہاں پایا جاتا ہے۔ اس لئے قدری نظریے (Quantum Theories) وجود میں آئے جو پرانی طرز کے طبیعیات دانوں کے لئے بڑی پریشانی کا باعث ہیں کیونکہ جب وہ جوہر کے اجزا ترکیبی پر اپنے برقی حرکی مفہومات کا اطلاق کرتے ہیں تو انھیں ایک انقلاب سے دوچار ہونا پڑتا ہے یہ عجیب بات ہے کہ سوچنے والے لوگوں میں نظریہ اضافیت نے اپنے لئے بڑی جگہ پیدا کر لی ہے۔ حالانکہ قدری میکانیات نے جو تلاطم پیدا کر رکھا ہے اس کی طرف ابھی پوری توجہ نہیں کی گئی۔

بہرصورت کائنات میں ۹۲ عناصر کی جگہ ہم نے جن طبیعی ہستیوں کو تخت پر بٹھایا ہے وہ قلبیے (Protons.) برقیے (Eleetrons.) ثبتیے (Positrons.) عدلئے (Neutrons.) ہیں۔ ان کے ساتھ ہی وہ اشعاع یا برقی مقناطیسی موجیں ہیں جو ان کی درمیانی فضا میں سے گزر جاتی ہیں کیونکہ ہر جوہر لاسلکی نشرگاہ بھی ہے اور لاسلکی یافت گاہ بھی۔ ان کے درمیان توانائی کے تبادلے معین "ڈلیوں" میں ہوتے ہیں۔ ہر ڈلی قدریہ یا ضیائیہ ٹھیک ترسیل کردہ تعدد کے متناسب ہوتا ہے بالفاظ دیگر ناقابلِ گرفت "عمل" ٹھیک ٹھیک جوہری ہے یعنی آخری "توانائی وقت" غیر منقسم ہے اور حقیقی جوہر ہے۔ کائنات کا یہ مرفوعاً سادہ برقیائی نظریہ آجکل کے تمام طبیعیات دانوں میں اساس مشترک ہے۔ اس سے تمام خالصتہً طبیعی مظاہر کی بہت کافی اور شافی توجیہ ہو جاتی ہے اس پر بھی اندازہ یہ کیا گیا ہے کہ یہ تصویر ابھی خام ہے یا تو ہمارے ادراک کی ایک حد ہے یا خود فطرت نے ایک انتہا مقرر کر دی ہے اس لئے بور، ہائزن برگ، شروڈنگر اور ڈیراک جیسے ارباب سائنس ہمیں یقین دلاتے ہیں کہ ہم کو تمام قسم کے نمونے تمام شکلیں، تمام بڑے پیمانے پر ہمارا تجربہ خواہ وہ سورج، سیارے اور بلیرڈ کے گیند کیوں نہ ہوں۔ سب کے سب ترک کر دینا چاہیے اور یہ اقرار کر لینا چاہیے کہ عالمِ صغیر عالمِ کبیر سے مشابہت نہیں رکھتا۔ چنانچہ ہم برقیے کے لئے کبھی نہیں کہہ سکتے کہ "لو دیکھو یہ یہاں ہے"۔ ہمارے کہنے سے پہلے ہی وہ چل دیتا ہے وہ ایسا چھلاوہ ہے کہ اس کی رفتار کا ذکر کیا جائے تو اس کا محل برقرار نہیں رہتا۔ اس کے مقام کو بتلایا جائے تو اس کی رفتار گڑبڑ ہو جاتی ہے۔ یہ ان لوگوں کے لئے

جن میں راقم الحروف بھی شامل ہے، جو نمونوں، خطوط قوت اور شکلوں کے عادی رہے ہیں بغایت پریشان کن ہے۔ اب موجی حرکتوں کو ظاہر کرنے والی پیچیدہ سے پیچیدہ ریاضیاتی مساواتیں ہی جوہروں اور برقیوں کے برتاؤ کو بیان کرسکتی ہیں۔ انفرادی برقیوں کی حرکت یا ان کے مقام کے صرف احتمال کا حساب لگایا جاسکتا ہے۔ طبیعیات داں کی حیثیت گویا ماہر بیمہ کی سی ہوجاتی ہے جس کا کام ایک غفیر (Crowded) اور مبہم (Confused) ہستی کے اعداد شمارانہ (Statistical) برتاؤ کا حساب لگانا ہو۔ اس کا امکان قوی ہے کہ ان رجحانات کا ردعمل ہوگا، اور شاید سادہ خیال اینگلوسیکسن ہی اس کے قائد ہوں گے۔ لیکن یہ ردعمل زیادہ کامیاب ہوگا یا نہیں ایک علیحدہ سوال ہے؟

موجودہ طبیعی نقطۂ نظر سے ہمارے اطمینان کو متاثر کرنے والی دو باتیں اور ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ برق یا برقی توانائی کی توجیہ کسی سادہ تر یا بسیط ترشے کی اضافت سے کرنے کا ہم دعویٰ نہیں کرسکتے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ چاہِ صداقت کی تھاہ ابھی نہیں ملی۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب ہم سے اشیاء کی اصل اور ان کی پائدار صفات کے متعلق سوال کیا جاتا ہے تو جواب میں ہم کوئی طبیعی خیال یا قیاس پیش نہیں کرسکتے۔ آج کل کی اہم ترین دو تحریکیں حسب ذیل ہیں۔

پہلی تحریک یہ ہے کہ سائنس کو مشاہدہ پذیر اور پیمائش پذیر اشیاء تک ہی اپنے کو محدود رکھنا چاہیئے۔ اس طرح طبیعیات اور قیاس آرا مابعد الطبیعیات کے درمیان ایک حد فاصل قائم ہوجاتی ہے۔ دوسری تحریک یہ ہے کہ شے کی اصل نوعیت کی تلاش ایک فعل عبث ہے اس لئے دوامی حرکت والی مشینوں کی طرح اس تلاش کو بھی بلاتامل ترک کیا جاسکتا ہے۔ اب اشیاء کی ساخت صورت، ترتیب اور حاصل شدہ عادتوں اور ان کے برتاؤ پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ اس لئے نمونوں (Models) سے اپیل کا زمانہ گیا۔ اس کی جگہ ریاضیاتی علامتوں مساواتوں اور استخراجوں پر اعتماد روز بروز بڑھتا جاتا ہے۔

ذاتی طور پر میں اس قسم کی تمام قیدوبند کے خلاف علم بغاوت بلند کرتا ہوں۔ میں اس امر کا حامی ہوں کہ تمام مسئلوں پر جس پہلو اور جس ذریعہ سے بھی حملہ ہوسکے ہمیں اس کے استعمال میں کامل

آزادی ہونا چاہیے۔ جب قفل کی کنجی کھو جائے تو قفل توڑ ڈالو اور الماری کھول لو۔ جب اوپر چڑھنے کا زینہ مسدود ہو تو پیچھے سے سیڑھی لگا کر چڑھ جاؤ۔ بہت سے اینگلو سیکسنوں کا کام اسی راست اور عملی نوعیت کا رہا ہے اور دقتوں کے مقابلے میں یہ کام بہت ہی بارآور ثابت ہوا ہے اگر میکسویل پر قیدو بند لگائی جاتی تو اس کی فطانت اور ذہانت برق پر وہ مشہور کتاب تیار نہ کر سکتی تھی۔

کائنات کی عمر | کائنات پر قدامت کی سیر ہے لیکن وہ قدامت غیر محدود نہیں۔ طبیعیات کے تمام معلومہ کلیات اور قوانین بتلاتے ہیں کہ کائنات ایک چالو ادارہ ہے جو شاید ادھیڑ عمر کو پہنچ چکا ہے جو یقیناً ہمیشہ سے نہیں ہے اور نہ ہمیشہ رہے گا۔

سائنس کے دو بڑے مسئلے ہیں۔ ایک تو استمرار کمیت (Conservation of Mass.) دوسرا استمرار توانائی (Conservation of Energy.) جو بنیاد ہے طبیعیات کی۔ ستاروں کی طبیعیات سے یہ امر واضح ہوتا جاتا ہے کہ اگر مادہ بہ حیثیت مادہ باقی نہیں رہتا تو وہ ٹھیک ٹھیک معادل مقدار اشعاعی توانائی کی پیدا کر دیتا ہے۔ اس کے جوابی استحالہ کی تلاش جاری ہے جس سے یہ پتہ لگے کہ ستاروں سے روشنی اور حرارت جو مسلسل اشعاع پاتی ہیں اور فضا میں پھیل جاتی ہیں وہ پھر جمع ہو کر برقیوں قلبیوں اور جوہروں کی شکل میں آجائیں اس قسم کے تغیرات اب تک مشاہدہ نہیں کیے گئے۔

نیوٹن نے اپنی کتاب "مناظر" میں جو سوالات اٹھائے ہیں ان میں توانائی کی ایسی تبدیلیوں کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔

"کیا کثیف اجسام اور نور ایک دوسرے میں تبدیل نہیں کیے جا سکتے۔ اور کیا اجسام کی فعالیت نور کے ان ذرات کا نتیجہ نہیں جو ان کی ترکیب میں داخل ہیں؟"

"اجسام کی تبدیلی نور میں اور نور کی تبدیلی اجسام میں فطرت کے عین مطابق معلوم ہوتی ہے کیونکہ فطرت کو قلبِ ماہیت سے بہت زیادہ دلچسپی ہے۔"

آج کل کی زبان میں آئنسٹائن کے طریقہ پر یہ دعویٰ ایک مساوات کی شکل میں بیان کیا جاتا ہے۔

ت=ک۔م۲ اس میں ت سے مراد توانائی ہے۔ ک کمیت ہے اور م مستقل اعظم یا نور کی رفتار ہے اس مساوات کی مدد سے ہم کمیت کو توانائی، گراموں کو ارگوں میں یا پونڈوں کو فٹ پونڈوں میں یا بالعکس بیان کر سکتے ہیں۔

بایںہمہ ہمارے سامنے سوال یہ نہیں ہے کہ مادہ فنا ہوجاتا ہے یا توانائی ساقط ہوجاتی ہے، بلکہ یہ مشہور و معروف واقعہ ہے کہ توانائی میں تنزل یا بے کار ہوجانے کا رجحان ہے۔ طاقت کی تمام مشینوں اور تمام زندگی کا انحصار بالآخر سرد تر ماحول کی اضافت سے حرارت کے ایک مبدأ پر ہوتا ہے۔ پیری میں توانائی کا ضعف پیدا ہوجاتا ہے اور جب سب کچھ موت کی سطح پر پہنچ جائے تو توانائی بالکل کام میں نہیں لائی جاسکتی۔ جب ساری زمین سمندر کی سطح پر آجائے تو پھر پانی سے طاقت حاصل نہیں کی جاسکتی۔ پن چکی سے جو پانی گزر چکا ہے اس سے پھر آٹا پیسا نہیں جاسکتا جب تک کہ سورج کی فیض رساں شعاعیں آج کل کی طرح، خشکی اور تری کے وسیع سینے پر اتر کر پانی کو چلتے پھرتے بادلوں تک لے جاکر پانی نہ برسائیں ہمارے تخیل سے اس خستہ اور درماندہ کائنات کی قدرے بھیانک تصویر کو دور کرنے کی بہت سی کوششیں کی گئی ہیں۔ ہم اس کو حرارتی موت کہہ سکتے ہیں۔

طبیعی کائنات تباہی کی طرف نہیں جارہی ہے بلکہ غیر دلچسپ یکسانیت کی طرف۔ توانائی اب بھی مستمر یا محفوظ ہوگی لیکن کام کرنے یا زندگی کو قائم رکھنے کے لئے وہ کم سے کم ترکارآمد ہوتی جاتی ہے۔

نیوٹن نے اپنی "مناظر" میں جب تیرہواں سوال لکھا تو کیا توانائی کے زوال (Degradation) کا مفہوم پیش نظر تھا؟ "حرکت کا میدان حاصل ہونے کی بجائے ضائع ہونے کی طرف زیادہ ہے۔"

جینس کا مقولہ ہے کہ ہر شے پکار پکار کر یہ کہہ رہی ہے کہ تخلیق کا ایک معین واقعہ یا سلسلۂ واقعات کسی وقت یا اوقات میں رونما ہوا، جو غیر محدود طور پر بدید نہیں ہے۔" موجودہ اجزا سے محض اتفاقاً کائنات وجود میں نہیں آسکتی اور نہ وہ ہمیشہ ایسی ہوگی جیسی کہ آج ہے ہر دو صورتوں میں کوئی جوہر باقی نہ رہیں گے سوائے ایسے جوہروں کے جو اشعاع میں تبدیل ہونے کے ناقابل ہوں گے۔ پس نہ تو سورج کی روشنی رہے گی نہ ستاروں کی۔ اشعاع کی صرف ایک ٹھنڈی دمک رہ جائے گی جو یکسانیت کے

ساتھ فضا میں بکھری ہوگی۔ موجودہ سائنس کی رسائی جس حد تک ہے اس کے مطابق یہی وہ انجام ہے جس کی طرف تمام خلقت حرکت کر رہی ہے اور جس تک اسے ایک نہ ایک دن پہنچنا ہے۔"

ہم کو اعتراف کر لینا چاہیئے کہ "موجودہ سائنس کی رسائی کی حد تک" بالآخر چند مردہ ستارے چند بے حرکت جوہر اور فضا میں یکسانیت کے ساتھ بکھری ہوئی اشعاع کی ایک ٹھنڈی دمک" رہ جائے گی جو بلا شبہ دائمی، باقی اور تغیر سے معرا ہوگی۔ لیکن کیا کوئی شخص سنجیدگی سے اس پر یقین رکھتا ہے؟

جینس کو خود اعتراف ہے کہ ہر شے پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ تخلیق کا ایک معین واقعہ یا سلسلہ واقعات کسی وقت یا اوقات میں رونما ہوا، جو غیر محدود طور پر قدیم نہیں ہے۔ اب جہاں تخلیق ہو وہاں غایت (Purpose.) کا ہونا ضرور ہے۔ جہاں ایک مرتبہ غایت آگئی تو وہاں غایت کا تسلسل یا تجدد ہوتا ہے۔ پس جب ایک مرتبہ تخلیق ہوگئی تو ہو سکتا ہے کہ تخلیق کا تسلسل رہے یا جدید تخلیق ہو۔ غایت کو آپ نکال دیجئے تو طبیعی کائنات کے لئے نہ تخلیق رہتی ہے اور نہ ابتدا۔ پس کس منزل پر غایت کو ساقط کیا جائے؟ یہ مسئلہ آج کل مقبول نہیں ہے۔ اسی بنا پر غائیات (.Teleology) (یعنی غایت یا کسی انجام کو پیش نظر رکھکر اسی کی طرف حرکت) کی اصطلاح آج کل کی سائنس میں متروک اور ممنوع ہے۔

اتلاف کی طرف توانائی کے اس رجحان کو "ٹمپسٹ" (طوفان) میں جس خوبی سے بیان کیا گیا ہے ایسا شاید کہیں اور نہ بیان کیا گیا ہوگا۔ اس میں پراسپیرو اپنے خواب کو بیان کرنے کے بعد کہتا ہے۔

> "ہمارے یہ اداکار جیسا کہ میں نے پہلے پیش گوئی کر دی تھی روحیں تھیں جو اب ہوا میں لطیف ہوا میں گھل مل گئی ہیں۔ اس خواب کے بے بنیاد کالبد کی طرح ابر پوش برج، عظیم الشان محل، سنجیدہ معابد، خود یہ کرہ عظیم مع اپنے تمام لوازمات کے فنا ہو جائے گا اور اس خواب و خیال کی طرح اپنا کوئی نشان تک نہ چھوڑے گا۔ ہم جس چیز سے بنے ہیں اسی سے خواب بھی بنتے ہیں اور ہماری زندگی کو نیند گھیرے ہوئے ہے۔"

اس کے بعد وہ ہم سے التجا کرتا ہے کہ

"میری کمزوری سے درگزر کرو، میرا دماغ اس وقت پراگندہ ہے"

مٹ رائے، بابل، قرطاجنہ جاچکے اور اب ہم ان پر نوحہ خوانی بھی نہیں کرتے۔ کیا ہماری باری آگئی؟

"ہرقلیطوس فوت ہوگیا۔ اور وہ تم سے بہتر آدمی تھا"

جہاں آج کل ہم ہیں وہاں برف کی ایک چادر تھی جس کی دبازت غالباً چار ہزار فٹ تھی۔ برف پھر آئے گا اور شاید پھر چلا جائے لیکن بالآخر وہ باقی رہ جائے گا۔

بایں ہمہ اس قنوطیت کے دھارے کے پورے زور کا اندازہ نہیں لگایا گیا ہے۔ چنانچہ برٹرانڈ رسل کی کتاب "تصوف اور منطق" میں یہ عبارت ملاحظہ ہو۔

"انسان ایسی علتوں کا معلول ہے جن کو پہلے سے علم نہ تھا کہ وہ کس انجام تک پہنچیں گی۔ انسان کی اصل، اس کا نمو، اس کی امیدیں اور اس کے خوف، اس کی محبتیں اور اس کے عقیدے سب کے سب جوہروں کی ترتیب (Collocation.) کا نتیجہ ہے۔ کوئی آگ کوئی شجاعت، خیال اور احساس کی کوئی شدت کسی انفرادی زندگی کو قبر سے آگے باقی نہیں رکھ سکتی۔ تمام زمانوں کی محنتیں، تمام پرستشیں، تمام الہامات، انسانی فطانت کی تمام ضوپاشیاں نظام شمسی کی وسیع فضا میں معدوم ہوجائیں گی۔ اور انسانی کارناموں کا مندر برباد اور تباہ کائنات کے ملبے کے نیچے دب کر رہ جائے گا۔ یہ سب باتیں اگرچہ بالکل متفق علیہ نہیں ہیں تاہم ان پر اس قدر اتفاق ہے کہ جو فلسفہ ان کو نظر انداز کرے اس کے قائم رہنے کی امید نہیں کی جاسکتی"

ان ہی خیالات کو ایک شاعر نے یوں ادا کیا ہے:۔

زندگی کیا ہے؟ عناصر میں ظہور ترتیب　　موت کیا ہے؟ ان ہی اجزا کا پریشاں ہونا

یہ گویا قنوطیت کی انتہا ہے لیکن جیسے ایک شخص نے جو فلسفی بننے کی کوشش کرتا تھا، ڈاکٹر جانسن سے ایک مرتبہ کہا کہ "انبساط اور شادمانی کی لہریں اٹھتی ہی رہیں گی" جس کا جی چاہے ان باتوں پر یقین کرے جس کا جی چاہے رد کردے۔ فی الحقیقت ہم ان سب باتوں کو نہیں جانتے۔

کیونکہ ایک دوسرے بڑے فلسفی "وہائٹ ہڈ" نے لکھا ہے کہ " ہماری رجائیت کی واحد بنیاد مذہبی نظر اور اس کے برابر وسیع ہوتے رہنے کی تاریخ میں ہے۔ اس سے علیحدہ ہوکر انسانی زندگی اتفاقی سرور کی ایک چمک ہے جس نے آلام اور مصائب کے ایک انبار کو روشن کردیا۔" لیکن یہ رجائیت بھی قطعی طور پر تعدیلی رنگ رکھتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہم تغیر و تبدل کے ایک زبردست دور سے گزر رہے ہیں اور اب بھی ہم ایک دوسری جنگِ عظیم اور اس کے تاریک دور مابعد کے سایے میں ہیں[۱]۔ موجودہ نسلوں کے لئے یہ فخر و مباہات کی بات ہے کہ ان پر عظیم الشان نئے نئے مسئلوں کے حل کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اگر ہم خالص میکانی نقطۂ نظر کی تنگنائی میں اپنے کو محدود رکھیں تو ہم کو تل کے اوٹ پہاڑ نظر آئیگا اور جیسا ہم کریں گے ویسا بھریں گے۔ اگر اخلاقِ فاضلہ کو کام میں لایا جائے تو کامیابی کی امید ہو سکتی ہے یہ اخلاق فاضلہ کیا ہیں؟ "ڈین انگے" نے ان کو جامع طریقہ پر یوں بیان کیا ہے " صداقت' ہمت' عدالت' انصاف' کمینگی اور کجروی سے نفرت اور تمام انسانی افراد کا احترام۔"

وقت کی ایک طویل مدت میں جو رجحانات ہم مشاہدہ کرتے ہیں وہ درحقیقت عارضی ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک مکھی جس کی عمر ایک دن کی ہوتی ہے۔ وہ سیارہ بنچوں کی حرکت کو دریافت کرنے کی توقع نہیں کر سکتی۔

شاید ہم کو کبھی نہ کہنا چاہئے کہ کسی تاریخ بعید میں کائنات خلق کی گئی۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ کائنات کی تخلیق جاری ہے اور اس پر اصرار کرنا چاہیے کہ ہر زمانہ میں یہ بیان صحیح رہا ہے۔ بس ہم کو والٹ وہٹمین کی تائید کرنی چاہئے کہ کائنات اس سے پہلے اتنی مکمل نہ تھی جتنی کہ آج ہے۔"

زمان دوسری ہستیوں کی طرح زمان بھی تجربہ کا معاملہ ہے۔ ریاضی دانوں کے نزدیک زمان یا وقت بہ آسانی عکس پذیر ہے۔ لیکن تجربے میں ماضی اور مستقبل میں بہت نمایاں فرق ہے۔ میں حقیقت میں امریکہ جاکر واپس آسکتا ہوں، لیکن سوائے حافظہ میں جانے کے میں پچھلے ہفتہ میں نہیں جا سکتا۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔"

---

[۱] اس جنگِ عظیم کو آج پانچواں سال ہے۔

اب میں امریکہ جاؤں بھی تو مجھے مسافت طے کرنے کے لئے مدت درکار ہوگی اور میرا سفر راست بھی نہ ہوگا۔ میں دائیں بائیں چلوں گا اور اوپر نیچے بھی چلوں گا۔ اس کو مسافت کے ساتھ ملایا جائے تو فضا کے تین درجے یا نمونے وقت کے ایک درجہ یا نمونے سے منسلک نظر آئیں گے۔ منکاوسکی نے اس کو نہایت خوبصورتی سے یوں پیش کیا ہے کہ زمان مکان کو ملا کر ایک وحدت قرار دیا جائے تو یہ چاروں اس میں بہت ٹھیک بیٹھتے ہیں۔

اس چار بعدی وحدت میں بھی مجھے ہمیشہ کچھ خامی نظر آئی۔ امریکہ جانے کے لئے مجھے روپیہ کی ضرورت ہے جو آزادی کا بہت اہم پانچواں درجہ ہے۔ ہر شخص کو معلوم ہے کہ روپیہ ہماری مزعومہ ضرورتوں کو پورا کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ سفر میں روپیہ سے توانائی خریدی جاتی ہے جو مسافر کی زندگی اور اس کی نقل و حرکت کے لئے بس ضروری ہے۔ اور سفر خواہ راست ہو یا میکانی ذرائع سے اس میں مسافر کو امداد دینے کے لئے کام کرنے والوں کی جو فوج کی فوج ہوتی ہے اس کے لئے بھی توانائی کچھ کم ضروری نہیں ہے۔ چڑیا اپنی توانائی راست غذا سے حاصل کر لیتی ہے اس کو اپنے نفقے کپڑے یا نقل و حرکت کے لئے روپیہ کی ضرورت نہیں۔

پس معلوم ہوا کہ آزادی کا پانچواں درجہ توانائی ہے۔ اس کا بڑا ذریعہ ہم ہوا میں سانس لیکر حاصل کرتے ہیں۔ بغیر ٹیکس یا قیمت ادا کئے ہوا ہی ایک ایسی چیز رہ گئی ہے جو ہم سب کو مفت ملتی ہے۔

یہ ایک قابلِ لحاظ بات ہے کہ طبیعیات میں توانائی کا تعلق وقت سے بہت قریب ہی۔ اسی طرح تعدد سے بھی۔ اس لئے راقم الحروف کا یہ ایک خاص خبط ہے کہ وہ موجوں کے تعدد کو مانوس تر مگر کمتر محسوس مفہوم توانائی کی جگہ دینا چاہتا ہے۔ یہ موقع تفصیل کا نہیں ہے۔ اتنا بیان کر دینا کافی ہے کہ آئنسٹائن نے تجاذب کی توجیہ ہندسی بنیاد پر کی۔ اسی طرح یہ ممکن ہے کہ توانائی کو تعدد کا ایک رُخ قرار دیا جائے تاکہ کائنات کے ایک جامع اور مانع موجی نظریہ تک رسائی ہوسکے۔

ایڈنگٹن نے اپنی کتاب "طبیعی دنیا کی نوعیت" (نیچر آف دی فزیکل ورلڈ) میں وقت کی ناگزیر یک سمتی کی ترقی کی ایک دلکش تصویر پیش کی ہے جو فطرت میں نقش کی ہے۔ حرکیات کا دوسرا کلیہ

گھڑی کی طرح کائنات کی کوک کا کھلتا جانا، جس سے توانائی بتدریج زوال پذیر اور کام کے لائق نہیں رہتی ہے، ان سب کو اس نے "ناوک زمان" سے تعبیر کیا ہے۔ فطرت میں چونکہ بعض عمل لوٹائے نہیں جاسکتے اس لئے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ وقت بھی لوٹایا نہیں جا سکتا۔ ہم سے بلند تر ذہن کے نزدیک ماضی حال اور مستقبل ایک وحدت ہو سکتے ہیں جو ہمارے تجربے سے بالکل باہر ہے گو ریاضی داں کے تخیل سے باہر نہیں۔

حیات | اب تک ہم نے مادے کو زندگی یا حیات سے الگ کر کے دیکھا جب ہم زندہ اشیاء کا ذکر کرتے ہیں تو جو دشواریاں اب تک پیش آتی تھیں وہ المضاعف ہو جاتی ہیں۔ محض اس ایک جزکے اضافہ کردینے سے جس کی ہم صحیح طور پر تعریف بھی نہیں کر سکتے۔ یہ کہنا کہ زندگی محض میکانیت ہے بالکل مختلف معنی رکھنے والی دو اصطلاحوں کو ملتبس کر دینا ہے۔ مشینیں باہر سے بنائی جاتی ہیں لیکن زندہ چیزوں کی تنظیم اندر سے ہوتی ہے۔ اور ہم قطعی طور پر باشعور غایت یا نفسِ عاقل و رہنما کا ثبوت نہیں دے سکتے بایںہمہ اجزائے ترکیبی کے تعاون کی بدولت ہم کل میں ایک نہایت عجیب و غریب ربط و ضبط پاتے ہیں۔ میرے پیشِ نظر اس وقت درخت، مکھیاں (شہد کی) اور ہمارے جسموں کی بعض واردات ہیں۔ اگر ان کو ہمارے باشعور اور عاقل نفوس پر چھوڑ دیا جاتا تو ہماری زندگیاں ایک لمحہ کے لئے بھی ممکن نہ ہوتیں۔ ہم اتنے عاقل بھی نہیں ہیں کہ اپنے جسموں کے ایک چھوٹے سے حصے کا انتظام ایک ثانیہ بلکہ ثالثہ یا رابعہ کے لئے بھی قائم رکھ سکیں۔ مثال کے طور پر میں پوچھتا ہوں کہ ہم میں سے کون ہے جو اس کی کامل ذمہ داری لے گا کہ خون کے نئے جسیمے (Corpuscles.) تیار ہوتے رہیں گے۔ یا مثلاً ہماری آنکھ میں ضروری مرمت مسلسل ہوتی رہے گی۔

اگر انسان اپنی ٹانگ توڑ لیتا ہے تو فطرت اسے درست کر دیتی ہے۔ یہ فطرت کون ہے اور کیا ہے؟ گوئٹے کا قول ہے کہ

"فطرت نہ تو مغز ہے اور نہ قشر۔ وہ بیک وقت سب کچھ ہے۔"

لاشیلیر نے کہا ہے کہ

"فطرت بہ یک وقت ایک سائنس ہے جو اسباب سے اثرات کے استخراج سے کبھی نہیں تھکتی اور وہ ایک فن ہے جو نئی نئی ایجادیں کرکے اپنی مشق کو بلا توقف جاری رکھتا ہے"

مرقس نے ولیم جیمس سے اخذ کرکے لکھا ہے کہ

"سائنس کے مفکر کے لئے بھی فطرت اب نہایت ہوشیاری سے بنائی ہوئی پیچیدہ مشین کی طرح ایک میکانی صنعت نہیں رہی۔ فطرت وہ ہے جو عقلِ سلیم کے نزدیک ہمیشہ رہی ہے یعنی وہ ایک بناوٹ ہے جس میں میکانی تانا ہر جگہ روحانی بانے سے ملا ہوا ہے"

کوئی شخص اس سے انکار نہیں کرسکتا کہ زندہ مخلوق مادے سے بنتی ہے اور اس سے بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ زندگی میں توانائی کے تبادلے ایسے واقع ہوتے ہیں جو کامل طور پر طبیعیات اور کیمیا کے کلیوں کا اتباع کرتے ہیں۔ لیکن اس امر پر اصرار کہ یہ کلیے یا نظریئے یا قوانین جیسا کہ ہم ان کو جانتے ہیں یا جیسا کہ وہ نشوونما پائیں، ہمارے مفہوم زندگی پر ایک لازمی پابندی عائد کردیتے ہیں یا وہ کسی حیثیت میں بھی علیت کا مرتبہ رکھتے ہیں ایسا قدم ہے جس کی کوئی سند نہیں۔ پس ہم کو کس چیز کے اضافہ کی ضرورت ہے؟ ہم کچھ بھی پیش نہیں کرسکتے۔ لیکن چونکہ اس سوال کا جواب فی الوقت نہیں دیا جاسکتا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ جواب ہمیشہ کے لئے محال ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ایک جزء تو خود وہ کل ہے جو اپنے اجزا کا محض مجموعہ نہیں ہے۔

میکانیت اور روحیت (Vitalism.) اور پھر جدید روحیت کے طرفداروں میں جو دلکش قضیہ جاری ہے وہ مختلف میدانوں میں مختلف کامیابیوں کے ساتھ جاری رہے گا۔ ہم ایک دن میں اس کے فیصلہ کرنے کی توقع نہیں رکھ سکتے۔

اب یہ دیکھئے کہ تین دعوے پیدا ہوتے ہیں۔

مادے کی ہر شکل مادے سے حاصل ہوتی ہے۔

توانائی کی ہر شکل توانائی سے حاصل ہوتی ہے۔

ہر زندہ خلیہ ایک زندہ خلیہ سے حاصل ہوتا ہے۔

اس سے پیشتر ہی دکھلایا جا چکا ہے کہ پہلے اور دوسرے دعوے مل کر ایک ہو جاتے ہیں اس لئے مادے کو توانائی کی صرف ایک شکل سمجھ لینا چاہئے اور اس میں بھی ہمیں شک کرنے کی ضرورت نہیں کہ زندگی بھی توانائی کی ایک شکل یا مظہر ہے۔ پس توانائی کیا چیز ہوئی؟ مدرسہ کا ہر لڑکا فوراً یہ جواب دے گا کہ "توانائی کام کرنے کی قابلیت کا نام ہے"۔ محض ایک ترجمہ ہے۔ اس سے بھی بڑھکر بعض لڑکے ایسے کام کی فی الحقیقت پیمائش بھی کر ڈالیں گے۔ اس پر بھی یہ تعریف رسکن کا طنز یاد دلاتی ہے "درخت کی تپیاں سبز کیوں ہیں؟" "کیوں ان میں کلوروفل ہوتا ہے"۔ "تو آپ کا یہ کہنا ہے کہ پتیاں اس لئے سبز ہیں کہ ان میں سبزی (کلوروفل) موجود ہے"۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو ہمارا معاملہ اتنا خراب نہیں ہے کیونکہ انسان نے توانائی کی عادات واطوار کا علم اس حد تک حاصل کر لیا ہے کہ فطرت میں توانائی کے باہمی تبادلوں کا وہ پتہ لگا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی کر سکتا ہے کہ اپنے فائدہ اور نفع کے لئے توانائی کو کام میں لائے۔ اس سے بھی زبردست کارنامہ اس کا یہ ہے کہ اس نے توانائی کو قابل پیمائش بنا لیا۔ اس کو ضبط میں رکھنے کا یہ پہلا قدم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اتنی کثرت سے میکانی اور برقی اطلاقات اس قدر تنوع کے ساتھ ہماری زندگی پر چھا گئے ہیں اور ان سب کا انحصار طبیعیات کے معلومہ اصولوں پر ہے۔ فی الحقیقت ہماری ان کامیابیوں نے ہمارے اندر ایک نشہ پیدا کر دیا اور ہم سمجھنے لگے کہ ہم کو عقل سے بہت بہرہ ملا ہے۔ حالانکہ از روئے انصاف ہم اتنا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ اسی طرح ہم میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ میکانکی اور برقی صنعتوں کی ترقی کے معنی تمدن کی ترقی کے ہیں۔ حالانکہ اس کا انحصار نہ صرف مادی بلکہ ذہنی، اخلاقی اور روحانی قدروں اور صنعتوں پر ہے۔

اصل حیات | مادے کی اصل کی طرح اصل حیات بھی تاریکی میں ہے لیکن دونوں مسئلے ایک ہی زمرے کے نہیں۔ مادے کی اصل کی توجیہ میں ہم کو یہ کہنا پڑتا ہے کہ وہ عدم سے پیدا ہوتا ہے اور یہ ماننا پڑتا ہے کہ توانائی اپنے عدم سے پیدا ہوئی۔ یہ سب باتیں ہمارے تجربے سے باہر ہیں اور اس لئے ناقابلِ خیال ہیں۔ لیکن جب اصل حیات کا ذکر کرتے ہیں تو یہ صورت پیدا نہیں ہوتی کیونکہ مواد اور توانائی دونوں موجود رہتے ہیں۔ اس لئے یہ قیاس قائم کیا گیا کہ سورج کی بالا بنفشئی شعاعوں کے زیرِ اثر کاربن ڈائی آکسائیڈ سادہ تر

سالموں سے قدم بہ قدم بغایت پیچیدہ سالمے تیار ہوئے۔ اس سلسلے میں کیمیائی تجربوں کے اولین آثار نمودار ہوگئے ہیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ سورج کی روشنی نے پانی اور کاربن ڈائی آکسائڈ کو ملنے پر بہلا پھسلا کر آمادہ کردیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فارملڈیہائڈ تیار ہوگیا۔ زندہ خلیے سے یہ قدم فی الحقیقت بہت دور ہے۔ بعد کی منزلوں کی توجیہ میں کچھ مبہم سی اصطلاحیں مثلاً سطحی تنش اور ولوجی دباؤ (Osmotic pressnrg) استعمال کی جاتی ہیں۔ لیکن میرے احباب حیاتیات بیان کرتے ہیں کہ وہ کسی سادہ خلیہ سے واقف نہیں، زندگی کی سادہ ترین صورتوں میں نہایت درجہ پیچیدگی ہے۔ مزید براں ایک مشہور ماہر فعلیات (ایڈرین) کا قول ہے کہ

"اعصابی نظام زندہ خلیوں کا ایک مجموعہ ہے جس میں یہ غیر معمولی صفت ہے کہ نفس کو متاثر بھی کرتا ہے اور اس سے اثر بھی لیتا ہے۔"

"وہ مادی نظام ہے جو کسی نہ کسی طرح جذبات اور خیالات جیسی غیر مادی اشیاء کا ذمہ دار ہے۔"

"یہ سب ایسے زمرے میں ہیں جو میکانی توجیہ کی حد سے باہر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اعصابی نظام کے فعل کی توجیہ طبیعیات اور کیمیا کی اصطلاحوں میں پورے طور پر نہیں کی جاسکتی۔"

لارڈ بالفور نے بہ حیثیت فلسفی لکھا ہے کہ

"کوئی شخص نہ ادراک کرسکتا اور نہ خیال میں لاسکتا ہے کہ فعلیاتی تغیرات سے نفسیاتی تغیرات کیونکر پیدا ہوتے ہیں۔"

ہم میں سے اکثروں کو ان فتووں سے اتفاق ہوگا لیکن ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ایک مکتبِ خیال ایسا بھی ہے جو سب سے آگے ہے اور ان پابندیوں کو تسلیم نہیں کرتا کیونکہ ہمارا علم ابھی بالکل غیر مکمل حالت میں ہے۔

اگر نامی غیر نامی سے پیدا ہوا ہے تو باعتبار تعداد اور اصناف کے حیات کے نشو و نما کی پہلی منزل اس عجیب و غریب سیارے پر ہمیں گھیر لیتی ہے۔ اکثر اصحابِ فکر یہ سمجھتے ہیں کہ ایک واحد فعل تخلیق کی جگہ مسلسل تخلیق کے شاندار مفہوم نے لے لی ہے۔ کل سے آج نیا نیا پیدا ہوتا ہے۔ ایک ثانیہ ختم ہوتا ہے تو اپنے بعد آنے والے تازہ ثانیہ کو پیدا کردیتا ہے۔ بایں ہمہ دونوں کے درمیان ایک پائدار ربط

رہتا ہے۔ اگرچہ اس عجیب وغریب نشوونما کی تشریح اور تخلیص کے لئے اصطلاحات کی وضع مشکل نہیں ہے اور تخلیقی ارتقا کی اصطلاح سے بڑی مدد بھی ملتی ہے، تاہم اس کو ہمیں بطور بیان یا عنوان کا استعمال کرنا چاہئے اور ایک نام کو سبب کے ساتھ ملتبس کرنے کی عام خطا سے احتراز چاہئے۔

کسی نہ کسی طرح انسان کے ڈھچر میں آگے کی ٹانگیں بازو بن گئی ہیں اور آگے کے پیر ہاتھ بن گئے اور ہر ہاتھ میں ایک انگلی انگوٹھا بن گئی۔ بچہ جب ہاتھوں پیروں سے چلتا ہے تو وہ رینگتا ہوا چوپایہ ہوتا ہے قدرے تکلیف کے ساتھ بار بار کی مشق سے وہ اپنی پچھلی ٹانگوں پر کھڑا ہوتا ہے اور پھر چلنا سیکھتا ہے۔ صرف اربابِ تشریح وفعلیات ہی اس پیچیدہ تعاون سے بخوبی واقف ہیں جو شعوری اور غیر شعوری کوششوں کی وجہ سے دماغ، اعصاب اور عضلات کو ایک دوسرے کے ساتھ کرنا پڑتا ہے۔ تو کیا بچہ اپنی نسل کی، اپنی وراثت کی داستان کو دہراتا ہے؟ فی الحقیقت یہ دعویٰ بھی کیا گیا ہے کہ "انسان کے جسم کی ہر ہڈی اور ہر عضلہ ساخت کے اعتبار سے اتنی تبدیلیوں سے گزرے ہیں کہ وہ اس کی قائم وضع کے لئے موزوں ہو گئے ہیں"۔

زندگی کی ہر شکل کے نشوونما اور حفاظت کے لئے بار بار کے تنازع اور جدوجہد کی ضرورت ہے اس کے برخلاف عدم استعمال فنا کی طرف لے جاتا ہے۔ لیکن یہ ہوشمندانہ تاثرات جو مشاہدہ پذیر عمل کو مختصراً بیان کر دیتے ہیں اکثر بنیادی مسائل کا جواب نہیں دیتے۔

کائنات میں اعلیٰ ترین نشوونما جس سے ہم واقف ہیں وہ انسان کے ذہن اور اس کی روح کا ہے جس طرح فضا کی خاصیتوں نے قدرے مبہم اصطلاح "ایثر" کو پیدا کیا جس سے مراد خواص اور واردات سے لی گئی اس طرح "نفس" اور "روح" کی اصطلاحیں بھی لاکلام صفات کا سہولت بخش خلاصہ ہیں۔

کس قدر عجیب بات ہے کہ اگر ساری نوعِ انسان کو ایک جھیل میں غرق کر دیا جائے تو اس کا پانی صرف چند انچ بڑھے گا۔ کائنات بہ حیثیت مجموعی چلتی رہے گی اور اس پر بہت کم اثر پڑے گا۔ باعتبار حرکت و مادہ تقریباً بے اثر رہے گی۔ ایک وقت تھا جس کو کچھ کم دس ہزار ملین (دس ارب) برس گزرے کہ اس زمین پر زندگی نہ تھی اور ایک وقت آئے گا شاید ایک کھرب برس کے بعد جبکہ زمین پر زندگی ختم ہو چکی ہو گی۔ سر لد جیفریز کے اس حساب میں شاید ہی کسی کو کلام ہو کہ دس کھرب برس کے بعد تمام

سمندروں کا پانی تہ تک جم جائے گا اور تمام زمین برف اور یخ سے ڈھک جائے گی۔ بڑے بڑے کتب خانوں میں جائیے اور دیکھئے کہ اکثر وبیشتر کتابوں کا موضوع انسان، اس کی تاریخ اور اس کے کارنامے ہوں گے۔ انسان کو یہ اہمیت کیوں؟ کیا ہم اپنی ہی خوشامد کرتے ہیں؟ کیا ہم بڑے بندر ہیں جو ایک معمولی سے سورج کے گرد گھومنے والے ننھے سے سیارے پر چلے جا رہے ہیں؟

یہ قنوطی خیال اس تصور کے مقابلے میں کہ یہ دنیا غیر فانی روحوں کی تربیت گاہ ہے (الدنیا مزرعۃ الآخرۃ) بہت نمایاں اور تاریک ہو جاتا ہے۔ شاید پروفیسر اے، این، وہائٹ ہڈ کا یہ خیال ہی مقبول ہو جائے کہ کائنات طبیعی طور پر تنزل کر رہی ہے لیکن روحانی طور پر صعود کر رہی ہے۔

طبیعی میدان | کائنات کے ایک عام منظر دیکھنے کی کوشش کی تکمیل کے لئے مناسب ہے کہ ہم فیرڈے کے خیالات کی طرف عود کریں اور غور کریں کہ اس کے نزدیک قوت کے میدان سے کیا مطلب تھا جس کو ہم توانائی کی مملکت کہتے ہیں۔ اس سلسلے میں اس کا قابلِ ذکر بیان حسب ذیل ہے۔

"مادے کی ساخت کے متعلق جو نقطۂ نظر بیان کیا گیا ہے اس سے یہ لازمی نتیجہ نکلتا ہے کہ مادہ تمام فضا کو بھرے ہوئے ہے۔ یا کم ازکم اس فضا کو جس تک تجاذب کی رسائی ہے (بہ شمول نظامِ شمسی) کیونکہ تجاذب مادے کی وہ خاصیت ہے جس کا انحصار ایک خاص قوت پر ہے۔ اسی قوت پر مادہ مشتمل ہوتا ہے اس لحاظ سے مادہ نہ صرف باہمی طور پر دخول پذیر ہے بلکہ ہر جوہر گویا سارے نظامِ شمسی میں پھیلا ہوا ہے۔ اس پر بھی وہ اپنے مرکزِ قوت کو ہمیشہ قائم رکھتا ہے"

یہ ممکن ہے کہ آئنسٹائن اس بیان میں تھوڑی سی ترمیم کر دے تاکہ وہ اس کے نظریۂ تجاذب پر حاوی ہو جائے جس کی رو سے ساری فضا میں ایک ہندسی میدان پیدا ہو جاتا ہے یا ترمیم پاتا ہے اس سے غرض یہ ہے کہ اجرامِ فلکی کی حرکت کی توجیہ ہو جائے اور ان "قوتوں" کو ماننا نہ پڑے جو نیوٹن کے ذہن میں آئیں اور جن کی بابت فیرڈے نے لکھا ہے۔

میدان لغت کے اعتبار سے بھی ایک وسیع لفظ ہے چنانچہ ہم میدانِ رزم میدانِ بزم

وغیرہ کہتے ہیں۔ ہر صورت میں اس سے مراد واقعات یا واردات کا ایک رقبہ یا خطہ ہوتا ہے۔ طبیعیات میں اس کا استعمال بہت بار آور ہوا۔ زمین سے قریب مادہ زمین کی طرف خطوطِ مستقیم یا منحنی میں گرتا ہے اور ہم اس تجاذبی میدان میں مادی اشیاء کے کلیوں یا عادتوں کی تحقیق کر سکتے ہیں۔ نیوٹن نے اس مقام بند میدان کو وسعت دیکر زمین سے چاند اور سارے نظام شمسی تک پھیلا دیا۔ آج اس میدان کی وسعت میں دوسرے ستاروں کی حرکت بھی شامل ہے۔

زمین کے چاروں طرف ایک مقناطیسی میدان بھی ہے۔ جہاں مقناطیسی سوئی ایک معین سمت اختیار کرتی ہے۔ اسی طرح ایک برقی باردار جسم کے چاروں طرف ایک برقی میدان ہوتا ہے۔ ہم اس وقت ایک برقی مقناطیسی میدان میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ نور کی وہ شعاعیں جن کو ہماری آنکھیں محسوس کرتی ہیں اور ریڈیو یا لاسلکی کی موجیں جو رات دن ہمارے گھروں اور ہمارے جسموں میں گھسی رہتی ہیں اس کی شاہد ہیں۔ ایک اہم امر بھی قابلِ لحاظ ہے اور وہ یہ کہ میدان ایک دوسرے پر کلیتہً منطبق بھی ہو سکتے ہیں۔ ایک ہی مقام پر تجاذبی برقی اور مقناطیسی میدان بہ یک وقت موجود ہو سکتے ہیں۔ اسی واسطے آئنسٹائن اور ایڈنگٹن اس کوشش میں ہیں کہ ایک اور صرف ایک میدان ایسا حاصل کر لیں جو تمام تجاذبی مقناطیسی واقعات کی پوری تشریح کر سکے۔

ادراک کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں۔ ایک تو مبدء یا نشرگاہ ہونا چاہئے۔ دوسرے یا بندہ جو مبدء کے لئے ہمسر کر لیا گیا ہو۔ تیسرے فضا میں توانائی کا انتقال۔ چنانچہ سورج کے اندر کے جوہر ہم تک روشنی نشر کرتے ہیں لیکن ہم انہی آنکھوں سے صرف ان شعاعوں کا ادراک کرتے ہیں جن کے لئے ہماری آنکھیں ہمسر بنائی گئی ہیں۔ یہی وہ مرئی ہشتہ یا سرگم ہے (Octave.) جو مجموعی اشعاعی کے کامل طیف کا محض ایک جز ہے۔

سُر ملانے کی اہمیت ریڈیو یا بندگی سے اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے۔ نیز برقی مقناطیسی میدانوں میں بھی اس کی اہمیت واضح ہے لیکن مناسب ہے کہ اس کے وسیع تر اطلاقات پر غور کیا جائے معمولی معنوں میں بات چیت نہ گونگے کے لئے ممکن ہے اور نہ بہرے کے لئے۔ ایک کے پاس گفتگو کا نشری آلہ

نہیں ہے اور ایک کے پاس تحصیلی آلہ نہیں ہے۔ میدان دماغی یا ذہنی بھی ہوتے ہیں جہاں ایک مفکر کے خیالات ہوتے ہیں جن کو وہ تقریر یا تحریر کے ذریعے سننے یا سمجھنے والے ذہنوں تک منتقل کرنا چاہتا ہے۔ اب کون ہے جو ذہنی قابلیت کی اہمیت پر ضرورت سے زیادہ زور نہ دے گا اور ساتھ ہی تمام ذہنی میدانوں میں ہمدردانہ ہم آہنگی کو ضروری نہ سمجھے گا۔ ان میدانوں میں شکل، ساخت اور اسلوب کو وہی حیثیت حاصل ہے جو موضوع یا شے کو۔

فنون کی تمام صورتوں کے لئے بھی یہ کچھ کم صحیح نہیں ہے۔ یہ فن کار کا افتخار ہے کہ وہ فن کارانہ میدان پیدا کرے۔ مشاہد یا پابندہ کی طرف سے اس میدان کی قدردانی کا انحصار باعتبار قابلیت اور صفت یا قدر کے اس کی پابندگی پر ہے۔ دماغی اور فن کارانہ میدانوں میں ریاضیاتی طبیعیات کی قطعیت مفقود ہوتی ہے۔ قابلِ پیمائش مقداروں کا پتہ ہی نہیں ہوتا۔ قوت فیصلہ خوش فہمی اور تجربہ ہی قدر کی طرف رہنما ہوتے ہیں لیکن اس سب سے ماورا، ناقابلِ تعریف اور قیمتی وہ الہام یا فطانت ہے جو اس پر دلالت کرتی ہے کہ خالص طبیعی میدانوں میں جو کچھ ہم شامل اور محدود کر سکتے ہیں ان سب کے ماورا اور ان سے برتر کوئی چیز ہے۔ باایں ہمہ اگر ایک دوسرے سے بے نیاز خطوں میں ساری کائنات کو تقسیم کر ڈالیں تو ہم سے وہ سادگی اور عمومیت جاتی رہتی ہے جو ہماری تمام کوششوں کا منتہا ہے۔ خیال کی دو مملکتوں میں جب معرکہ واقع ہوتا ہے مثلاً مذہب اور سائنس میں تو ایسے معرکہ کا سبب ہمارا محدود علم اور ذہن ہوتا ہے۔ جب فطرت میں ایسے معرکے واقع ہوتے ہیں تو باہمی تشویہ لازمی اور لابدی طور پر اصلاح کر دیتا ہے۔

سب میں بڑے میدان تو وہ ہیں جہاں انسان کی روح کائنات کی روح سے ہمسر ہوتی ہے جس سے انسان گویا دیوتا یا خدا کے ساتھ کامل طور پر رابط ہو جاتا ہے۔

کیا یہ خیالات خوابِ پریشاں ہیں؟ کیا یہ اضغاث احلام ہیں؟ نہیں نہیں۔ ہم کو روحانی میدانوں کے لئے بھی اسی حقیقت کا مدعی ہونا چاہیے جو ہم دماغی فن کارانہ اور طبیعی میدانوں میں مانتے ہیں "ان کے پھلوں سے تم ان کو پہچانو گے" یہاں فی الواقع سر الاسرار معلوم ہوتا ہے۔

روحانی میدانوں کی راست شہادت ان لوگوں کی صفات اور تجربے میں ملتی ہے جو نورِ الٰہی سے مستفید ہو کر اپنی زندگیوں، اپنے اعمال، اپنے افکار اپنے اثرات سے اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ عقل کی رہنمائی میں یہ اندرونی روشنی محض خواب و خیال نہیں ہے۔

میں مثال میں ایک بیان پیش کرتا ہوں۔ مسٹر بالڈون، مدبر اور سیاست داں، سابق وزیراعظم انگلستان کا بیان ہے:۔

"اسی حد تک میں کہتا ہوں کہ اگر میں یہ محسوس نہ کروں کہ ہمارا کام اور ان تمام لوگوں کا کام جو ہمارے ہم عقیدہ اور ہم مشرب ہیں، خواہ وہ میدانِ سیاست کا ہو یا شہری کام کا، اس امید میں کیا گیا ہے کہ ایک نہ ایک دن خواہ وہ لاکھوں برس کے بعد ہو، حکومتِ الٰہی ساری دنیا پر قائم ہو جائے گی تو میرے لئے امید منقطع ہو جائے گی اور میں کوئی کام نہ کر سکوں گا۔ چنانچہ اپنا یہ عہدہ میں ہر اس شخص کے سپرد کر دینے کے لئے تیار رہوں گا جو اس کو لینے کے لئے تیار ہو"

مسٹر بالڈون کے یہ الفاظ داد کے مستحق ہیں۔ وہ ہمارے دلوں کے تار کو چھیڑتے ہیں۔ بایں ہمہ ایک مقام اس سے بھی بڑھکر ہے جہاں وہ لوگ جو یہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ بازی ہار رہے ہیں یا وہ جانتے ہیں کہ جنگ میں شکست یقینی ہے۔ اس پر بھی حق اور صداقت کی تلاش میں سرگرم رہتے ہیں اور عواقب سے بے پروا ہو کر سرگرم رہتے ہیں۔ اس حق کی تلاش میں جو تمامی حسن و جمال ہے۔

(باقی آئندہ)